وسط ایشیاء کی تحریک جدید کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ

* فرحت نسیم علوی

Abstract

Present work talks about the emergence of Jadd Movement in Russian Muslims in 1888. It gives an over-view of the circumstances that caused its formation. Then the objectives of Jadd Movement are discussed. The priority of this movement was expansion of education and it emphasized the acquisition of modern and scientific education. After a description of aims, hurdles are being discussed which were created by Russian government and its allies in conservative clergy. This movement is then compared with Aligarh; another educational and reformatory movement of sub-continent. This study ends with an analysis of the profound effects left by these two movements on the lives of common people.

سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں روس سامراج نے قازان پر قبضہ کرتے ہوئے جب مغربی ترکستان پر دست درازی شروع کی تو پھر یہ سلسلہ رکا نہیں لیکن ابھی ترکوں میں دم خم تھا انہوں نے روسیوں کا حملہ پسپا کیا اور انہیں زبردست جانی مالی نقصان پہنچایا لیکن اٹھارویں صدی ترکستان کے لئے انتشار و افتراق کا پیغام لے کر آئی تاتاری خوانین کی آپس کی خانہ جنگیوں سے روسی سامراج نے فائدہ اٹھایا اور 1885ء تک روس پورے مغربی ترکستان پر قابض ہو چکا تھا اور اس طرح سواتین سو برس کے اندر ماسکو کی ایک مختصر اور بے مایہ سی ریاست ایک زبردست سامراجی قوت بن گئی۔ نتیجتاً مسلمان جو غالب اکثریت تھے، اقلیت میں بدل گئے، اقتصادی لوٹ کھسوٹ کے ساتھ ساتھ امیر شکیت ارسلان کے مطابق مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے مشنریوں کا جال بچھا دیا گیا اور سرکاری سطح پر تحریص و ترغیب کے ساتھ ظلم و ستم کے تمام ممکن ہتھکنڈوں سے کام لیا گیا۔ مسلمان ہونے پر پابندی عائد کر دی گئی کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرتا تو اُسے سزائے موت دی جاتی مسلمان مبلغین کو سائبیریا میں نظر بند کر دیا جاتا۔[1]

روسی استعمار کی جو پالیسی رہی، اس کوزنکووسکی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"روسیانا، بپتسمہ دینا اور ترکوں کی تہذیب و ثقافت کو بگاڑنا وہ ہتھکنڈے تھے جو زاروں کی حکومت نے مفتوحہ ترک علاقوں میں اختیار کئے"۔[2]

اس پالیسی کا رد عمل کشمکش کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اپنی تہذیب و ثقافت اور مذہب و روایات کے تحفظ و دفاع کے بارے میں تاتاری شدید جذباتی ہو گئے تاہم ایسے بھی تھے جو صبر و استبداد کی پالیسی کے آگے ثابت قدم نہ رہ سکے اور اپنا دین بیچ دیا صرف چالیس برس کے قلیل عرصہ میں ایک لاکھ تاتاری مرتد ہو گئے چنانچہ ان میں اضطراب کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا۔

ٹھیک اس زمانہ میں جب روسی کلیسا تاتاری مشنریوں کے ذریعے تاتاری مسلمانوں کے دینی افکار پر شبخون مار رہا تھا، تاتاریوں میں احیائے اسلام کی تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی۔

انیسوں صدی کے اوائل میں مسلمانانِ روس میں سے چند ہستیاں مصلح اور طبیب قوم بن کر ابھریں اور اپنی مسلسل کوششوں سے تحریکِ جدید کی بنیاد رکھی، جس کے تحت مسلمانوں کے زوال کی وجوہات پر غور کیا گیا اور ایسے اقدامات کرنے کا منصوبہ بنایا گیا کہ مسلمانوں کو اپنی عظمتِ رفتہ کی طرف بلایا جائے اور ان میں اپنے ماضی سے محبت اور روس کی غلامی سے نفرت پیدا کی جائے چنانچہ 1980ء میں قازان کے تاتاریوں میں جدید ازم کی تحریک اُٹھی۔

آگسٹائن آر کمینڈرائٹ (Augustin Archimandrite) تحریکِ جدید کے متعلق لکھتے ہیں:

"Jaddism was a drive for cultural and social renewal among Muslims in the Russian empire in the early 20th Century. Although, the beliefs of Jadds were manifold, one of their principle aims was the introduction of the "Usual-ul-Jadd"[3] or "new methods " of teaching in the maktabs of empire, hence the Term Jaddism normally used to describe their programme".

اولیور رائے (Olivier Roy)، "The New Central Asia: The Creation of Nations" میں جدید ازم کے متعلق لکھتے ہیں:

"It was first and foremost a cultural movement aiming to educate the whole community of Russian's Muslims, and to make them aware of their identity and their strength".[4]

شاہ عبدالحنان (م1976ء) جدید ازم کے متعلق لکھتے ہیں :

"The struggle for modernization of education, language and culture is known as 'Jadd Movement' in the History"[5]

تحریک جدید کے مقاصد:

تحریک جدید کا بنیادی مقصد ۱۱ ویں صدی سے بند اجتہاد کا دروازہ کھول کر مسلمانوں پر مغرب کی بالادستی کا خاتمہ کرنا تھا، جدیدیوں کی نظر میں یہ اس وقت ممکن تھا کہ مسلمان جدید سائنس اور دوسری متمدن زبانیں سیکھیں اور ان میں ایک جدید نظامِ تعلیم متعارف کروایا جائے۔

ڈینئیل کمیگ (Daniel Kimmage) تحریکِ جدید کے مقاصد کے متعلق لکھتے ہیں :

At the heart of the Jadd project was a new method of teaching to replace the existing Practice in maktabs, as primary schools in central Asia were known in the late 19th century. At that time, the maktab existed to transmit knowledge and proper behaviour, but not to inculcate understanding. Students memorized passages of the Qur'an in Arabic, but did not learn Arabic and could not understand what they were reciting. The Jadd sought to change this, teaching the alphabets phonetically and producing students who were functionally literate. This was the assense of "New method" and the Jadd set up new method schools to put it into practice and educate a new generation."[6]

تحریکِ جدید کے مصلحین خود انہیں روایتی سکولوں کے تعلیم یافتہ تھے لیکن انہوں نے ہمیشہ اس نظام تعلیم سے نفرت کا اظہار کیا۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی تحریروں اور اپنی تقاریر میں روایتی نظام تعلیم کو جدیدیت کی راہ میں درپیش ایک بڑی رکاوٹ سے تعبیر کیا۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

جدید اس کے مخالف تھے کہ دین اور ثقافت میں پیچھے ہٹا جائے۔ سب سے بڑھ کر انہوں نے اس پر زور دیا کہ مدارس میں زمانہ حاضرہ کے طریقوں سے تعلیم دی جائے۔ روس کی علمداری کے اندر رہنے والے تمام ترکوں میں ثقافتی اتحاد قائم ہونا چاہئے لیکن اس کے ساتھ ہی اس زمانہ کے روس کے ثقافتی اور معاشرتی ارتقاء میں حصہ لیا جائے۔ انہیں یہ ضروری معلوم ہوا کہ روس کے ترک روسی زبان سیکھیں جس سے وہ ابھی تک عموماً نا آشنا تھے۔[7]

مندرجہ بالا بیانات سے تحریکِ جدید کے مندرجہ ذیل مقاصد سامنے آتے ہیں:

1: مسلمانوں کو ذلت کی پستیوں سے نکالنا اور اپنی ذات کا اعتماد بحال کرنا۔

2: ایک جدید نظام تعلیم متعارف کروانا جس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصر علوم مثلاً حساب، جغرافیہ، سائنس اور روسی زبان کی تدریس کا اہتمام ہو۔

3: جدید طرز پر مبنی مدارس کا قیام عمل میں لانا۔

4: روس کے اندر رہنے والے تمام مسلمانوں خصوصاً ترکوں میں اتحاد کی فضا قائم کرنا۔

5: ایک ایسی زبان رائج کرنا جو روس کے تمام مسلمانوں کی مشترکہ زبان کا کردار ادا کرے۔

انہیں مقاصد کی بنیاد پر جدیدازم کی تحریک شروع کی گئی جو روسی مسلمانوں کے لیے بیداری کا باعث بنی۔ چنانچہ 1900ء کے لگ بھگ جدیدیت کی تحریک مخالفتوں کے باوجود روس کے تقریباً تمام ترکوں تک پہنچ چکی تھی۔

تحریکِ جدید کے اولین مصالحین:

تحریکِ جدید کی تحریک میں کئی مصلحین نے تجدید واصلاح کا کام سرانجام دیا لیکن جن ابتدائی راہنماوں نے تحریکِ جدید کی بنیاد رکھنے میں نمایاں کردار ادا کیا وہ ابونصر القرصاوی (1783-1814ء)، شیخ شہاب الدین المرجانی (1889-1818ء) [8] اور اسماعیل گسپرالی (1914-1851ء) [9] تھے۔

ابونصر القرصاوی جدیدازم کے وہ مصلح تھے جنہوں نے سب سے پہلے اندھی تقلید کے خلاف آواز اٹھائی اور اجتہاد و آزادی رائے کی حمایت کی۔[10]

انیسویں صدی میں ابونصر القرصاوی کی اٹھنے والی اس آواز نے ذہنوں میں ہلچل برپا کردی اور جدیدازم کے مصلحین کی کوششوں میں مہمیز لگادی تحریکِ جدید کے داعی شہاب الدین المرجانی (1889-1818ء) نے جدید تحریک کے ذریعے روسی معاشرے پر دوررس اثرات مرتب کیے۔ دورانِ طالبعلمی انہیں اپنے اساتذہ اور علماء کے فکری وذہنی جمود کا شدت سے احساس ہو گیا تھا، انہوں نے جب صورتحال پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کی زیادہ ذمہ داری اس پرانے طرزِ تعلیم پر عائد ہوتی ہے جو مدارس میں مروج ہے۔ چنانچہ وہ دینی درسگاہوں میں اصلاح کا عزم لیے واپس وطن لوٹے، انہوں نے علماء کے فکری جمود اور تنگ نظری پر سخت تنقید کی۔

لُڈمیلا (Ludmila) اور الیگسی میلاشنکو (Alexei Malashenko) کے بقول المرجانی جس مذہبی اصلاح کے نمائندے تھے، اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

۱: ہر مسلمان مذہب سے متعلق اپنے سوالات کے جواب خود قرآن سے ڈھونڈے۔

۲: اندھی تقلید کی روایت کو ختم کیا جائے۔

۳: قدیم روایتی نصاب کو نظام تعلیم سے خارج کرنا۔

۴: مدارس میں قرآن، حدیث اور تاریخِ اسلام کے مضامین کی تدریس کو جدید انداز میں متعارف کروانا۔

۵: مسلمانوں کو اپنی ابتدائی پرانی ثقافت کی طرف بلانا۔[11]

المرجانی کو جس انقلابی شخصیت کے نظریات اور زندگی نے متاثر کیا وہ امام غزالی مرحوم تھے، انہوں نے اپنی ساری زندگی اس جدوجہد میں گزاری کہ اسلام کو مخصوص علماء کے روایتی اسلام کے چنگل سے آزاد کرایا جائے۔ ان کا پختہ یقین تھا کہ

اسلام آج بھی دورِ جدید کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے اور دورِ جدید کی سائنس کا تسلی بخش جواب مذہب سے دینے کی اہلیت رکھتا ہے اور ان کا یقین تھا کہ اسلام کے آفاقی اصولوں کی مدد سے آج بھی اسلام کی عظمتِ رفتہ کو واپس لایا جا سکتا ہے۔[12]

چنانچہ المرجانی نے اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور 1866ء میں اپنے تعلیمی نظریات کے مطابق ایک نیا دینی مدرسہ قائم کیا۔ بعد ازاں تاتاری علاقوں میں اس قسم کے مدارس کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور انیسویں صدی کے آخر تک ایسے مدارس کا ایک جال سا بچھ گیا۔ ان مدارس کو کریمیا کے اسماعیل گسپر الی (1851-1914ء) نے ایک نیا رنگ دیا۔ اسماعیل گسپر الی نے جن مدارس کی بنیاد رکھی، انہیں "اصول جدید" کا نام دیا گیا جن میں اسلامی مضامین کے علاوہ دورِ جدید سے متعلق مضامین کی تدریس کا اہتمام کیا گیا۔ مدارس میں روسی زبان سیکھنے پر خصوصی زور دیا گیا۔ یہ تمام اصلاحات اس مقصد کے تحت تھیں کہ مسلمان تعلیمی میدان میں دوسری قوموں سے کٹ کر نہ رہ جائیں۔

ابتدائی طور پر اسماعیل گسپر الی نے اپنے مقاصد کے حصول کے وقت سیاست سے پرہیز کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر روسی اقتدار کے خلاف جدوجہد کی گئی تو مسلمان کچل دیئے جائیں گے۔ چنانچہ گسپر الی نے اس وقت کے حالات کے تحت روس نواز موقف ضرور اختیار کیا لیکن وہ سلطنت روس کے اسلامی علاقوں کو روسیانے[13] کی پالیسی کے سخت خلاف تھے۔ دراصل وہ اسلام میں جدیدیت اور تورانیت کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ اسلام ترکوں اور تاتاریوں کے کلچر کا لازمی جز ہے۔

اسماعیل گسپر الی فکری طور پر اپنے دور کی متعدد تحریکوں سے متاثر تھے دوران قیام پیرس، انہیں لبرل ازم تحریک نے متاثر کیا۔ استنبول میں نوجوان ترکوں کی توران ازم کی تحریک اور جمال الدین افغانی کی تحریک اخوتِ اسلامی نے بھی ان پر گہرے اثرات مرتب کیے، یہ سب اثرات ان کی سیاسی سماجی اور تعلیمی سرگرمیوں میں پوری طرح کار فرما رہے۔ وہ بیکوقت اسلامی اتحاد کے علمبردار بھی تھے، عربی زبان کو اہمیت دینے والے بھی اور بعض مغربی اصلاحات کو اپنانے کے خواہش مند بھی۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے گسپر الی (1851ء-1914ء) نے ذرائع ابلاغ اور مدارس کا استعمال کیا۔ 1883ء میں انہوں نے اپنا اخبار "ترجمان" شائع کیا جو کچھ ہی عرصہ میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گیا اور کاشغر سے لے کر کریمیا بلکہ قسطنطنیہ تک ذوق و شوق سے پڑھا جاتا تھا۔

فؤاد کاپرولو (Faud Koprulu) ترجمان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"Turcuman had an important effect not only on crimea but in kazan, Caucasus, Turkistan, China Turkistan, Siberia, Romania, Bulgaria, everywhere in the ottoman empire, in short in the entire Turkic world. It produced great hope, of a national renewal for the turks, especially for the Russian Turks."[14]

ترجمان کے ذریعے ایک ایسی زبان کو ترویج دینے کی کوشش کی گئی جو روس کے ترکی النسل مسلمانوں کی مختلف چھوٹی چھوٹی زبانوں کی جگہ روس کے تمام مسلمانوں کی مشترکہ زبان بنے۔ کسی بھی قوم کے لئے زبان کی کیا اہمیت ہوتی ہے، اس سلسلے میں گسپرالی نے ترجمان میں اپنے خیالات کو اس طرح قلمبند کیا:

"Without a national language, there can be no progress, because a national language, a common literary language is the mean and source most fundamental and necessary for the advancement of education, literature, religion and natioanl hopes." [15]

گسپرالی (1851-1914ء) کے اس بیان کا موجودہ دور کے نظامِ تعلیم سے موازنہ کیا جائے تو یہ نہایت اہمیت کا حامل ہے اور زبان کے بارے میں ان کی اپروچ وہی ہے جو آج کل کے لسانیات کے ماہرین کی ہے۔ تاریخی حقائق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ترجمان کی عام فہم زبان کی بدولت قازان اور کریمیا کے ترک کاشغر کے ترکوں سے منسلک اور مربوط ہو گئے۔ اس طرح گسپرالی اور ان کے پیروکاروں کی کوششوں سے روسی مسلمانوں میں جدید تعلیم کو فروغ ملا۔ اور ترکی زبان میں کتابوں کی اشاعت اور طباعت کا سلسلہ شروع ہوا اور مسلمانوں کو جہالت اور ذلت کی گہرائیوں سے نکالنے کے لئے جن اصول جدید پر مبنی مدارس کا خیال سوچا گیا تھا۔ اس پر عمل درآمد شروع ہوا۔

" اصول جدید مدارس" سلسلے کا پہلا سکول 1884ء میں کھولا گیا اور گسپرالی نے جدید سکول کے نصاب کیلئے ایک کتاب بھی لکھی۔"[16]

اصول جدید پر مبنی مدارس نے مساجد کے روایتی مدارس اور روسیوں کے پھیلائے گئے مدارس کا بھرپور مقابلہ کیا۔ اس ضمن میں ادیب خالد لکھتے ہیں:

"The basic institution of Jadd reform was the new method school itself. These schools were the site of the struggle for the hearts and minds of the next generation. Through them, the Jadd disseminated a cognitive style quite different from that of the maktab and thus created a group in society that was receptive to their ideas" [17]

"اصولِ جدید" کے سلسلے کا پہلا سکول کھلنے کے بعد گسپرالی کے خیالات وسط ایشیاء، سمرقند، تاشقند وغیرہ، میں پہنچے اور اس طرح مختلف علاقوں میں جدید مدارس کا آغاز ہوا۔ عبدالقادر شکوری نے 1901ء میں جدید ازبک مکتب تاشقند میں کھولا[18] اور 1903ء تک وہاں بیس ایسے سکول کام کر رہے تھے[19] اور سمرقند میں عبدالقادر شکوریؒ نے 1903ء میں اصولِ جدید کے پہلے مدرسے کی بنیاد رکھی۔[20]

بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں جدید مدارس بڑے پیمانے پر پھیلائے گئے۔ تاریخی اعداد و شمار کے مطابق 1916ء تک اصول جدید مدارس کی تعداد 5000 تک پہنچ گئی تھی[21]۔ اصول جدید کے ان مدارس میں سے بیشتر کریمیا اور

وولگا اورال کے خطے میں واقع تھے۔ ان مدارس نے روس کے مسلمانوں میں جدید ازم کے فروغ میں وہی کردار ادا کیا جو ہندوستان میں علی گڑھ کی مسلم جامعہ نے کیا۔

اصول جدید مدارس کا نصاب اور طریق تدریس:

نئے حالات کے تحت ایسے سکولوں کی ضرورت تھی، جہاں حساب جغرافیہ، سائنس، روسی زبان اور تاریخِ اسلام کے ساتھ ساتھ واجبات دینیہ مثلاً تلاوت قرآن، فقہ و ایمان، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ شامل ہوں۔ چنانچہ ایک نئے طریقہ کار کی بنیاد رکھی گئی، جس کے متعلق ادیب خالد لکھتے ہیں :

"نئے طریقہ کار کے تحت حروف تہجی کی تعلیم صوتی طریقہ کار سے دینا شروع کی گئی اور جوڑ کر کے حروف تہجی کو پڑھانے کے طریقہ مکتب کو چھوڑ دیا گیا۔ اب بچوں کو الفاظ کے نام یاد کرانے کی بجائے ان آوازوں کی تعلیم دینے پر زیادہ توجہ دی گئی جو کہ وہ الفاظ رکھتے تھے۔ اس کا مقصد دراصل لکھنے اور پڑھنے کی قابلیت پیدا کرنا تھا نہ کہ ثقیل کتابوں کا علم دینا، نئی طرز کے سکولوں میں استعمال ہونے والی کتابیں ان سکولوں کے لئے خاص طور پر بنائی گئی تھیں جو طلباء کو حروفِ تہجی کی موثر تعلیم دے سکیں۔ ادب کے علاوہ ان سکولوں نے موجودہ زمانے کے علوم مثلاً ریاضی، جغرافیہ، سائنس اور تاریخ کی تعلیم دینا شروع کی۔"[22]

اس نصاب تعلیم نے اصول جدید مدارس کو روسی سکولوں اور مکتب سے منفرد بنا دیا۔ اصول جدید کے نصاب کے متعلق لیزرینی (Lazzerini) لکھتے ہیں:

Phonetic transcription, simplified grammar and simplified vocabulary, it soon came to mean the style of instruction in all subjects used in the maktabs with an expanded curriculum as well as a new method of teaching. This curriculum at the Muktab level (which was the level of greatest importance to Gaspirali, was to include the traditional Muslim elements---Qur'an, calligraphy, Islamic Traditions, but also a genuine ability to read in Arabic. But beyond these subjects Islmail Bay believed a student should study the grammer and literature of his native language, the history of Islam and Islamic studies as well as of other religions and other societies, geography, arithmatic and at-least enough science to make an impact on the student's own life style."[23]

نئے طرز کے ان سکولوں میں ہفتے کے ۶ دنوں میں روزانہ ۴ یا ۵ گھنٹے تک تعلیم دی جاتی تھی۔[24] پہلا سال حروف تہجی سیکھنے کے لیے وقف ہوتا تھا۔ 1917ء سے وسط ایشیا کے اساتذہ کے پاس اختیار تھا کہ وہ ایک درجن مقامی طور پر تیار شدہ

کتابیں استعمال کر سکیں۔ سید رسول خواجہ کی "کتاب اول" جدید سکولوں میں استعمال ہوتی تھی لیکن بعد میں منور قاری[25] کی "ادیب اول" نے اس کی جگہ لے لی۔[26]

اگلے چند سالوں میں اور کئی کتابیں جن میں کچھ فارسی میں تھیں، منظر عام پر آ گئیں۔ ان میں عربی حروف تہجی کا مرحلہ وار اور ان کی صوتی حیثیت کے مطابق تعارف کروایا گیا اور ان میں حروف تہجی کو جوڑنے کی مشقیں دی گئیں۔ ان مشقوں کے بعد الفاظ بنانے کی مشقیں دی گئیں اور سال کے آخر تک طلباء کو پورا جملہ بنانے کی مشقیں دی گئیں۔ چند کتابوں میں پڑھائی کے لیے پیرے دیے گئے۔ دوسرے سال طلباء لمبے پیرے پڑھتے جو خصوصاً ان کے لیے بنائے گئے تھے۔ یہ پیرے زیادہ تر نثر میں ہوتے تھے۔ لیکن ان درسی کتب میں جا بجا شعر بھی موجود تھے۔ یہ کتابیں مکتب میں استعمال ہونے والی کتابوں سے اس لحاظ سے مختلف تھیں کہ یہ خصوصاً بچوں کے لیے ان کی مقامی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ اب ان کتابوں میں روحانی اور تخیلاتی کہانیاں بھی شامل تھیں۔ منور قاری کی کتاب "ادیب ثانی"، مثال کے طور پر 45 ادبی، فنی اور اخلاقی مقالوں پر مشتمل تھی۔[27]

اصول جدید کے مدارس کے اس طریقہ کار اور نصاب سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان مدارس کا مقصد طلباء کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنا تھا نہ کہ ایک خاص مکتبہ خیال کے ادارے کا قیام تھا۔ جدیدیوں کی یہ کوششیں ہمارے سامنے آتی ہیں کہ کس طرح انہوں نے اپنی توانائیوں کو اس کام کے لئے وقف کیا ہو گا کہ مدارس کا قیام پہلے تو عمل میں لانا، پھر درسی کتب مدون کرنا اور پھر دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق تدریسی طریقہ کار متعین کرنا۔

ان منفرد سکولوں کو "Haji Muin's Play" میں اس طرح پیش کیا گیا:

صحت عامہ کے اصولوں کے عین مطابق دیواروں پر نقشے آویزاں ہیں۔ ایک طرف استاد ایک میز کے عقب میں کرسی پر بیٹھا ہے اور اس کے ساتھ تختہ سیاہ ہے، اس کی دوسری طرف دو ڈیسکوں پر چار طلباء بیٹھے ہیں، جوں ہی پردہ اٹھتا ہے، چاروں طلباء اٹھ کر استاد کا خیر مقدم کرتے ہیں۔[28]

ڈیسک، کرسیاں، نقشے اور گلوب نئے سکولوں کا طرۂ امتیاز بن چکے تھے، جدیدیوں کے نزدیک یہ تبدیلی کہ طلباء بجائے استاد کے ارد گرد دائرے کی صورت میں بیٹھنے کے ایک نظم کے ساتھ ڈیسکوں پر استاد کے سامنے بیٹھیں، مکتب کے عدم نظم اور پسماندگی سے آگے ایک اہم قدم تھا۔

خالد ادیب کے بقول :

گسپرالی (1851ء - 1914ء) کے لکھے ہوئے "رہنمائے معلم" نامی جریدے میں ایک ایسے کمرہ جماعت کا نمونہ بھی شامل تھا، جس میں کھڑکیاں، نقشے، گلوب، تختہ سیاہ اور ڈیسک بہترین انداز میں دکھائے گئے تھے۔[29]

اس سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ گسپرالی اور اس کے ساتھی تعلیمی نفسیات کے اصولوں سے بھی پوری طرح واقف تھے کہ انہوں نے اصول جدید مدارس میں نہ صرف سمعی و بصری معاونات کا بھرپور استعمال کیا بلکہ کمرہ جماعت کے ماحول کو بھی بہترین بنایا تا کہ آموزش کا عمل تیز ہو۔

تحریکِ جدید کی راہ میں درپیش رکاوٹیں اور معاشرے پر اثرات

دنیا کی ہر اصلاحی تحریک کو کئی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جدید ازم کی تحریک بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھی، جدیدیوں کو جن رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا وہ مندرجہ ذیل تھیں :

قدیم وجدید کا تصادم :

جہاں اصول جدید کے مدارس میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا تھا اور وہ نئی نسل کے فکر و ذہن کو نئے سانچے میں ڈھال رہے تھے، وہیں "ایدل"، "اورال"، "قفقاز" اور وسط ایشیا میں قدیم طرز کے مدارس سرگرم عمل تھے، یہاں نئے زمانے کی رفتار اور نئے دور کے مسائل کا نہ تو کوئی احساس تھا اور نہ گذر۔ ان مدارس کی فضا دسویں صدی عیسوی کی تھی۔ انہیں نصاب میں کسی قسم کا تغیر و تبدل گوارا نہ تھا۔ چنانچہ جب جدیدیوں نے اصول جدید مدارس کے ضمن میں اپنی کوششیں شروع کیں تو انہیں قدیم علماء کی طرف سے سخت تنقید اور مذاحمت کا سامنا کرنا پڑا، اس کے علاوہ روسی حکومت کی مخالفت کا بھی سامنا تھا جو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور مخالفت عیسائی مشنریوں کی طرف سے تھی جو مسلمانوں کو روسی بنانے کے حق میں تھے۔

ان مخالف مشنریوں میں سے ایک این، آئی المنسکی (N.I. Ilminski) تھا جو مسلمانوں کی جدید ازم کی تحریک کے سخت خلاف تھا اور وہ تواتر سے جدید ازم کے رہنماء اسماعیل گسپرالی کی مخالفت کرتا رہا۔ قدامت پسندوں کے اخبار Faith) Din ve mughishat" in life) "جو کہ 1907ء سے اورنبرگ سے شائع ہوتا تھا، میں گسپرالی کے خلاف ایک مہم چلائی۔[30]

المنسکی نے خصوصی طور پر ان تمام اصلاحات کی مخالفت کی۔ المنسکی کے بقول:

"A Muslim fanatically hostile to the infidels was less dangerous for the Russian state than a Muslim educated from a Russian or Western university"[31]

نئے طریقہ کار کے خلاف ایک بنیادی تنقید یہ تھی کہ یہ ان روایات کے خلاف تھا جو علم کے پھیلاؤ کے ساتھ منسلک تھیں، جیسا کہ فطرت کا مدرس بیان کرتا ہے [32] "These schools turn our children into infidels"

یہ کوئی محض ادبی مباحثہ نہیں تھا بلکہ ایک حقیقت تھی۔ دسمبر 1913ء میں الغ بیگ کی مسجد کے امام نے سمرقند میں جمعہ کے خطبے میں کہا کہ نئی طرز کا طریقہ تعلیم اور روسی زبان کا سیکھنا شریعت کے خلاف ہے اور جن لوگوں نے اس طرز کے سکولوں میں بچوں کو بھیجا وہ کافر ہیں۔[33]

جدید طرز کے سکولوں پر ایک تنقید یہ تھی کہ یہ اس لئے ناقابل قبول ہیں کیونکہ یہ حروف تہجی کا آسان انداز اپناتے ہیں اور بچے روسیوں کی طرح ڈیسکوں پر بیٹھتے ہیں۔ اس تنقید کا جواب دیتے ہوئے فطرت[34] نے سائنس کو اپنی دلیل بنایا اور کہا کہ یہ صفائی کے اصولوں کے زیادہ نزدیک ہے اور اس طرح بچے زمین پر بیٹھنے کے مضر اثرات سے محفوظ رہتے ہیں۔[35]

اس طرح کے اعتراضات کر کے جدیدیوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں لیکن وہ مستقل مزاجی سے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں رہے اور اپنے نظریات کو عملی جامہ پہنایا۔

جدید ازم کے مصلحین غیر مسلم حکمرانوں کے زیر تسلط مسلمان کالونیوں میں مغربی جدیدیت اور اسلامی عقیدے اور ثقافت کے درمیان ٹکراؤ سے پیدا شدہ مسائل کو مناسب انداز میں حل کرنے کے لئے کوشاں رہے، ان کی تحریکِ جدید نے روسی مسلمان معاشرے پر کیا اثرات مرتب کیے، اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

جدید اساتذہ اور علماء نے تاشقند اور فرغانہ میں نئے سکول کھولے جہاں جدید تقاضوں کے مطابق روایتی اسلامی مضامین کے ساتھ ریاضی، سائنس، تھیٹر، شاعری، روسی اور ترکی ادب کی بھی تعلیم دینا شروع کر دی۔ انہوں نے اوپیرا[36] کی روایت ڈالی۔ کئی اخبارات شائع ہونے لگے ترکی زبان اور جدید ترک ثقافت کے احیاء میں ان سرگرمیوں نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کے تصنیف کردہ لٹریچر میں پہلی دفعہ مقامی تاریخ، ثقافت اور سیاست کا تجزیہ جدید انداز میں کیا گیا۔[37]

الیگزینڈر بنیگسن (Alexander Bennigsen)اور میری براکس اپ(Marie Brox up) جدید ازم کے اثرات کے متعلق لکھتے ہیں:

" In 1905, Russian Islam was endowed with a powerful religious establishment, consisting of some 20,000 masques over 50, 000 clerics, thousands of schools (both Maktab and Madrassah) using the Jadid method of teaching introduced by Ismail Gaspirali, a brilliant new Muslim literature inspire by the challenger of the modern world and committed to religious and political reforms, and a rich, diverse and sophisticated periodical press producing material in all Muslim languages of the Russian empire."[38]

جدید تحریک کے لوگ اپنے جدید اندازِ فکر کی وجہ سے دوطرفہ مخالفت کا شکار ہو گئے، ایک طرف روسی تھے اور دوسری طرف قدامت پرست سرکاری علماء جنہیں جدید لوگ رجعت پسند اور نئی روش کا مخالف سمجھتے تھے۔ سرکاری علماء کی قدامت پرستی اور اصلاح دشمنی کی وجہ سے روسی ان کی حمایت کرتے تھے تاکہ انہیں استعمال میں لا کر روس کی مخالف اسلامی اور قومی تحریکوں کا مقابلہ کیا جا سکے لیکن جدید ازم کی تحریک اپنے لیڈروں کی کوششوں کی بدولت وسط ایشیاء کے مختلف علاقوں میں

پھیلتی چلی گئی اور جدید ازم کی یہ تحریک، جو روسی مسلمانوں میں فکری بیداری کے لیے پیدا ہوئی تھی اس نے جلد ہی سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔

1905ء میں روس میں پہلا انقلاب آیا جس کے نتیجہ میں روس کو زار کے سامنے جھکنا پڑا اور اس نے روسی پارلیمنٹ کا اعلان کر دیا۔ اس انقلاب نے روسی مسلمانوں کی سیاسی سرگرمیوں کے لیے راہ ہموار کی۔ مسلمانوں نے اپنی سیاسی جماعتیں بنائیں اور کئی رسالے اور روزنامچے شائع کیے۔ سیاسی میدان میں مسلمانوں کی کوششوں سے مسلم کانگرس منعقد ہوئی۔

لُڈمیلا (Ludmila) اور الیکسی میلاشنکو (Alexei Malashenko) کے مطابق :

"The first Muslim congress was held in Nizhnii Novgorod in August 1905. It adopted the decision to set up a Muslim political organization, Ittafāq ul-Musulmin".[39]

آباد شاہ پوری" اتفاق المسلمین" کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

" اتفاق المسلمین کا مقصد روس کے تمام ترک مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا تھا۔ یہ جماعت تورانیت کی علمبردار تھی تاہم اس کا سیاسی نصب العین آزادی کی جدوجہد، قانون کی نظر میں تمام شہریوں کی مساوات اور قومی تہذیب و ثقافت کی ترقی کے لئے قانون سازی تھا۔ قومی اور سیاسی نقطہ نظر سے یہ الگ لبرل جماعت تھی جس کے رہنماء اسماعیل گسپرالی (کریمیا)، توپچیباشی علی مردان (آذربائیجان) اور آکچورن یوسف (قازان) تھے۔"[40]

سیاسی جدوجہد کے اس سلسلہ میں دوسری مسلم کانگرس 1906ء میں سینٹ پیٹر برگ (ST. PetersBurg) میں منعقد ہوئی۔ جس میں روس کے مختلف علاقوں سے کئی سو نمائندوں نے شرکت کی جس میں ترکمانستان ڈویژن کے ترک بھی شامل تھے۔[41] اب مسلمانوں نے عام انتخابات میں حصہ لینے کا پروگرام مرتب کیا اور جب 1906ء میں پہلی دوما[42] کے انتخابات ہوئے تو اس میں مسلمانوں کے 35 نمائندے منتخب ہوئے اور روسی پارلیمنٹ میں ایک متحدہ تاتاری محاذ قائم ہو گیا۔

سیاسی آزادی کا یہ دور بہت مختصر تھا۔ مسلمان اقوام میں سیاسی زندگی اور اپنے حقوق کے تحفظ کا جوش و جذبہ روسیوں کے لئے ناقابل برداشت تھا اور روسی حکومت مسلمانوں کی یہ بڑھتی ہوئی سرگرمیاں زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکی۔ اس کا ثبوت تیسری اور چوتھی دوما کے نتائج تھے۔

ثروت صولت کے بقول :

روسی حکومت نے انتخابات کے طریقوں پر ایسی پابندیاں لگائیں کہ مسلمان زیادہ تعداد میں منتخب نہ ہو سکیں، نتیجتاً تیسری اور چوتھی دوما میں مسلمانوں کی نمائندگی 35 سے گر کر بالترتیب دس اور 6 رہ گئی اور 1908ء میں اس کی سیاسی زندگی کی بساط لپیٹ کر رکھ دی گئی۔[43]

تاریخی شواہد سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ روسی حکومت نے اسی پر اکتفاء نہ کیا بلکہ اس نے مسلمانوں کی تمام سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی۔ تمام اخبارات بند کرا دیے۔ ان پابندیوں کی وجہ سے بہت سے مسلمان راہنماء مثلاً یوسف آکچورن اوغلو، علی حسین زادہ، اور عیاضی اسحاق وغیرہ ہجرت کر کے استنبول چلے گئے۔ کئی تحریکیں زیر زمین چلی گئیں جس کا فائدہ انقلابی گروپوں نے سمیٹا۔ اگرچہ اتفاق المسلمین کے لیڈروں نے اس مختصر سے عرصہ میں اپنے مطالبات منوانے کی کوشش کی مگر روسی حکومت نے انہیں سخت مایوس کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترک نوجوان خفیہ جماعتوں سے وابستہ ہو گئے۔ آزاد سیاسی زندگی ختم ہونے کے بعد قازان میں "حریت" اور آذربائیجان میں "مساوات" نامی خفیہ جماعتیں قائم ہوئیں۔[44]

انتہاء پسندوں نے تاتاری سوشلسٹ گروپ بنایا اور مساوات سے تعلق رکھنے والے بائیں بازو کے افراد نے "ہمت" کے نام سے جماعت بنائی، بعد ازاں یہی لوگ "سوشل ڈیموکریٹس" کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ جس نے آگے چل کر "باشویکی گروپ" کی شکل اختیار کر لی۔[45] ان حالات میں بالشویکوں نے روس کے محکوم مسلمانوں کی ہمدردی جیتنے، ان کا تعاون حاصل کرنے اور اپنی شرائط منوا کر سفید فوجوں کا ساتھ دینے سے روکنے کے لیے ایک اعلان جاری کیا جو سوشلسٹ روس کی تاریخ میں "روسی انقلاب" کا اعلان کہلاتا ہے اس پر لینن کے دستخط تھے اس میں کہا گیا:

Muslim people of Russia, Tatar brothers of Crimea and Volga Kirghiz and Sarats [46] of Siberia and Tuskistn, Turks and Tatars of south Caucasus, Chechen and hilly people of North Causasus, all of your mosques and religious places were being destroyed during the reign of Tsar; your belief and ideals will prevail and should remain free forever, there should be no more intervention; you should also know that you have equal rights like all other nations of Russia; and that should be protected by revolution and its different institutions like laborers, peasants, and soldiers soviets.[47]

بالشویکوں نے اس اعلان پر ہی بس نہیں کیا، مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے حضرت عثمان کا قرآن مجید مسلمانوں کو واپس دے دیا۔ اور نبرگ میں واقع مشہور "باشقرد کارواں سرائے مسجد" مسلمانوں کو دے دی گئی، 1918ء میں قازان کی ایک تاریخی یادگار "مینار سوم بیک" بھی ان کی نگرانی میں دے دیا۔[48]

روس کی نئی اشتراکی حکومت کے اس طرح کے اعلانات اور اقدامات روس کے مسلمانوں کے لیے بڑے حوصلہ افزا ثابت ہوئے۔ اگرچہ وہ اپنی بے بسی کی وجہ سے کسی مسلح بغاوت کے اہل نہیں تھے لیکن جب خود روسیوں کی ایک جماعت کی

طرف سے ان کی حوصلہ افزائی ہوئی تو انقلاب کے بعد کے ہنگامہ خیز حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روسی مسلمانوں نے بھی اپنی سیاسی آزادی کے لیے جدوجہد شروع کی۔ اور جہاں جہاں حالات نے اجازت دی۔ انہوں نے بالشویکوں سے تعاون کیا۔ اشتراکی انقلاب کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھا اور مسلم اکثریت کے تمام علاقوں میں زار کے خلاف بغاوت کر کے اپنی آزاد ریاستیں قائم کر لیں لیکن اشتراکیوں سے مسلمانوں کے تعاون کا نتیجہ یہ نکلا کہ جوں ہی سفید فوجوں کی قوت مزاحمت کمزور پڑی اور سوشلسٹ روس کے قوم مضبوطی سے جم گئے تو انہوں نے " اعلان انقلاب " کو بالائے طاق رکھ دیا۔ سرخ فوجوں غاصب فرمانرواؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ۹ آزاد ریاستوں پر چڑھ دوڑیں اور انہیں ایک ایک کر نگل گئیں۔ اب جبکہ روس کی اشتراکی حکومت نے بزورِ شمشیر زار کی پوری سلطنت پر روسی حاکمیت بحال کر دی تو روسی سامراج نے ایک نیا روپ دھار لیا۔ اب زار تو نہیں تھا لیکن اس سلطنت کا نام زار کی بجائے " سوویت یونین " ہو گیا اور اس پر زار کے خاندان کی جگہ کمیونسٹ پارٹی حکمران ہو گئی۔

کمیونسٹ پارٹی کا بلا شرکت غیرے اقتدار قائم ہو جانے کے بعد اگرچہ روسی اقتدار پوری طرح مستحکم ہو چکا تھا لیکن اس بات کا ہر وقت امکان تھا کہ غیر روسی قومیں جس میں ترکی النسل مسلمان سب سے زیادہ تھے، روسی اقتدار سے تنگ آ کر بغاوت نہ کر دیں۔ کیونکہ روس کے ترکوں میں اتحاد کی تحریک شروع سے موجود تھی۔ ایک مشترکہ زبان کی کامیاب تشکیل اور اتحاد تورانی و اسلامی اتحاد کی تحریکیں اس کی آئینہ دار تھیں۔ ان تحریکوں کی موجودگی میں اشتراکی روسی کبھی مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بغاوت کے امکان کو ختم کرنے کے لئے قومیتوں کا ایک مخصوص فلسفہ مرتب کیا اور اس کے تحت اسلامی اتحاد اور اتحادِ توران کی تحریکوں پر ضرب لگا کر روس کی ملت اسلامیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس ضمن میں انہوں نے جو اقدامات کیے و درج ذیل تھے:

ا۔ روس کے مسلمان اسلامی نظریہ حیات، بھائی چارے، ترکی زبان اور قومیت کی وجہ سے ایک متحدہ قوم تھے۔ تاہم سوویت حکومت نے یہ منصوبہ بنایا کہ مسلمانوں کو مختلف قومیتوں میں تقسیم کر دیا جائے کیونکہ قومیت کی بنیاد پر اسلامی بھائی چارے کو بالشویک لیڈر پسند نہیں کرتے تھے۔ سٹالن کے مطابق کسی بھی قوم کا جغرافیہ، زبان، اقتصادیات اور ثقافت اس کے اتحاد کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اگرچہ مسلمان جغرافیائی اعتبار سے ایک مخصوص خطہ میں رہتے ہیں۔ ترکی بولنے والوں میں کچھ علاقائی اختلافات ہیں۔ جہاں ترکی بولنے والے ہیں وہیں فارسی بولنے والے بھی ہیں۔ اس جیسے اعتراضات پیش کر کے سٹالن نے معذرت کی کہ وہ نہیں سمجھتا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ چنانچہ وولگا کی سلطنت میں دو نئی ریاستیں قائم کر دی گئیں، باشکیری سلطنت اور تاتار سلطنت۔[49]

اور اس طرح وولگا کے ترک جو یورال کے علاقہ میں ایک متحدہ ترک مملکت قائم کرنا چاہتے تھے اشتراکی روس نے نسلی اور گروہی تعصب کے ذریعے ان کے اس خواب کو قصہ پارینہ بنا دیا۔

۲ :اشتراکی روس نے مسلمان اور ترک آبادی کو صرف ذیلی قومیتوں میں تقسیم کرنے پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ اس نے اس کے ساتھ ساتھ ترکوں کے ساتھ لسانی اختلافات کو بھی ہوا دی۔ روس میں جو ترک باشندے تھے ان سب کی مشترکہ زبان ترکی تھی اشتراکی انقلاب سے قبل روسی مسلمان رہنما ایک ایسی معیاری اور ادبی ترکی زبان بنانے کی کوشش کر رہے تھے جو عثمانی ترکی پر مبنی ہو۔ بنیادی طور پر چونکہ سب کی زبان ایک ہی تھی اس لئے اس کام میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی اور اسماعیل گسپر الی اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے ایک ایسی ادبی ترکی زبان تیار ہو چکی تھی جس میں شائع ہونیوالے اخبار اور رسالوں کو کریمیا اور قفقار سے لیکر سمرقند اور کاشغر تک کے سب مسلمانوں میں ذوق وشوق سے پڑھا جاتا تھا۔ روس کی مسلم آبادی کا یہ لسانی اتحاد، قومی اتحاد کی شکل اختیار کر سکتا تھا اور یہ چیز اشتراکی اقتدار کے لئے خطرے کا الارم تھی اشتراکی روس نے اس کی حوصلہ شکنی کی اور مقامی بولیوں کو مستقل زبانوں کا درجہ دے دیا۔ حتیٰ کہ جن زبانوں کے رسم الخط نہیں تھے، ان کے رسم الخط بنا دیئے گئے اشتراکی روس کی ان لسانی اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج روس کے ترک باشندوں کے درمیان وہ لسانی اتحاد موجود نہیں جو انقلاب سے پہلے موجود تھا اب اگر ان کی کوئی مشترکہ زبان ہے تو روسی ہے۔[50]

۳ :روسی مسلمانوں کے سلسلے میں اگلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ 1939ء اور 1940ء کے درمیان بیک جنبش قلم روس کی تمام ترکی زبانوں کا رسم الخط لاطینی سے روسی کر دیا گیا اور اس طرح ترکی کے مسلمانوں کے ساتھ روسی مسلمانوں کے رابطے کا امکان اور دونوں خطوں کے مسلمانوں کے درمیان وحدت کے احساس کا امکان ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔

روس کی ملت اسلامیہ کو قومیتوں میں تقسیم کر کے اس کو مشترکہ زبان سے محروم کرنے اور عالم اسلام سے بالعموم اور ترکی سے بالخصوص روسی مسلمانوں کا لسانی تعلق ختم کرنے کے بعد بظاہر اب روس کے لئے تشویش کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی مگر حقیقت یہ ہے کہ ان تمام تدابیر کے باوجود روسی مسلمانوں کا وجود خود ایک خطرہ تھا لہٰذا اشتراکی روس نے چوتھی ضرب اس کے وجود کو ختم کرنے میں لگائی۔

۴ :زار کے عہد میں روسی پالیسی کا ایک اہم جزو "روسی بنانا" تھا، یعنی روسی زبان اور تہذیب کو ہر صورت محکوم قوموں میں نافذ کیا جائے اور غیر روسی علاقوں میں اس کثرت سے روسیوں کو آباد کیا جائے کہ وہاں اصل باشندے اقلیت ہو جائیں اشتراکی دور میں عہد زار کی اس پالیسی پر اور شدت سے کام کیا گیا" مثلاً اشتراکی دور میں انقلاب کے ۹ سال کے بعد بھی قازقستان میں قازق ترکوں کا تناسب ۵۸،۲/۱ فیصد تھا اور ازبکوں کا دو فیصد روسی صرف 35 فیصد تھے لیکن اشتراکیوں کی پچاس سالہ حکومت میں یہ تناسب الٹا ہو گیا۔ 1939ء میں قازقستان میں روسیوں کا تناسب 47 فیصد ہوا اور 1959ء میں 51 فیصد ہو گیا۔ اور قازق پوری آبادی میں صرف ۳۰ فیصد رہ گئے۔"[51] ان کا یہ عمل صرف قازقستان تک محدود نہ رہا بلکہ ترکمانیہ، ازبکستان اور تاجکستان وغیرہ میں بھی ایسی پالیسی پر عمل کیا گیا جس کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ ترکوں کو خود ان کے وطن میں اقلیت میں تبدیل کر کے ان کے علاقوں کو مستقل طور پر روس کا حصہ بنا دیا جائے۔

اشتراکی روس کا ایک خطرناک طرز عمل مذہب سے متعلق تھا جس کے تحت کیے گئے اقدامات کو بیان کیا جا رہا ہے۔

۵ :اوقاف جن کی مدد سے نہ صرف مساجد کی دیکھ بھال کی جاتی تھی بلکہ اس سے حاصل ہونیوالی آمدنی کو مذہبی تعلیم دینے والے مدرسوں پر بھی خرچ کیا جاتا تھا۔ روس کی اشتراکی حکومت نے پہلی ضرب ہی اسلامی اوقاف پر لگائی ایک سرکاری حکم کے تحت جو ۲۸ دسمبر 1922 ء کو مرکزی انتظامیہ جمہوریہ ترکستان سے جاری ہوا تمام مذہبی اداروں کو اوقاف کی ملکیت سے محروم کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں دوسرا جو قدم اٹھایا گیاوہ یہ تھا کہ 1930ء میں وسط ایشیاسے اوقاف کا قانونی وجود ہی ختم کر دیا گیا۔

٦ :اوقاف کے خاتمے کے بعد اشتراکی روسی حکومت نے اسلامی معاشرے میں شرعی عدالتوں کے خاتمے کو اپناٹارگٹ بنایاشرعی عدالتیں اسلامی شریعت کے مطابق شادی، طلاق، وراثت وغیرہ کے متعلق فیصلے دیتیں تھیں۔ 1947ء میں روسی اشتراکی حکومت نے اس سب عدالتوں پر بین لگایا، لیکن کچھ داخلی حالات سے مجبور ہو کر ان کو پھر بحال کر دیا گیا۔ 1921ء میں اگرچہ ان کے دائرہ اختیار کو بہت محدود کر دیا گیالیکن 27 ستمبر 1927یں یہ حکم جاری کیا گیاان تمام عدالتوں کو اختیارات سے محروم کیا جاتا ہے اس طرح شرعی قوانین اور شرعی عدالتوں کا وجود ہمیشہ کے لئے مٹ گیا۔[52]

۷:دینی درسگاہوں اور مساجد کے ضمن میں مندرجہ ذیل اقدامات کیے گئے۔

مساجد کو بند کر کے ورکشاپوں میں بدل دیا گیا، اسلامی عبادات اور مجالس پر پابندی لگادی گئی۔ بچوں کے لئے قرآن پڑھنا اور سیکھنا ممنوع ہو گیا۔ یہاں تک کہ اجتماعی ملکیت کے پروگراموں میں بھی اسلام مخالف عنصر شامل تھا۔ 1919ء میں روسی سلطنت میں لگ بھگ بیس ہزار مساجد موجود تھیں۔ 1929ء میں چار ہزار (4000) سے بھی کم مساجد زیر استعمال تھیں اور 1935ء تک ازبکستان میں صرف ساٹھ مساجد، ترکمانستان میں صرف چار اور قازقستان میں صرف بیس(20)مساجد رجسٹرڈ تھیں۔ لاکھوں مسلمانوں کے لئے کوئی مساجد نہیں تھیں اور مدارس پر مکمل پابندی عائد تھی۔[53]یوں روح مسلم کو اس کے جسم سے جدا کر دیا گیا۔

ان اقدامات کے ذریعے روس کی اشتراکی حکومت نے مسلمانانِ روس کے آزادی کے جذبے کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہالیکن مسلمانوں میں آزادی کے جذبے کو نہ دبایا جا سکا۔ ان تمام اقدامات، تمام پابندیوں کے ذریعے جب مسلمانوں کی آزادی کی تحریکوں کو کچل دیا گیا، توان میں آزدی کے جذبے نے اپنے اظہار کے لئے علم وادب کاراستہ اختیار کیا۔

ازبک ادیب اور شاعر عبد الرؤف فطرت(1938ء- 1884ء) کی قیادت میں " چغتائی یونین " کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی گئی، اس ادبی انجمن کا مقصد عوام کے ملی شعور کو بیدار کرنا، ان کی مخصوص تاریخی روایات اور قومی فکر کا احیاء کرنا تھا، ترکستان کی آزادی بھی اس کے مطمع نظر میں سے ایک تھا، جس نے ترکستان میں قومی ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا عبد الرؤف فطرت(1938ء۔1884ء)، عبد الحمید چولپان[54]، عبد اللہ قادری[55]اور محمود مقصود باتو[56]اس انجمن کے سر گرم رہنماؤں میں سے تھے۔

اس انجمن نے چغتائی ادب کا اس طرح احیاء کرنے کی کوشش کی کہ چغتائی زبان سے عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ کو خارج کر کے زبان کو سادہ اور عام فہم بنایا جائے اور قومی مسائل کو ادب کا موضوع بنایا جائے۔ انجمن نے اس مقصد کے لئے اجنبی روسی دباؤ کا مقابلہ کر کے قومی مطالبات کی ترجمانی کا فرض ادا کیا۔ ترکستان کے ادیبوں، شاعروں اور مصنفوں نے اس انجمن سے پوری طرح تعاون کیا۔

روسیوں نے جب دیکھا کہ اس انجمن نے کیمونزم کے خلاف نظریاتی جنگ شروع کر دی ہے تو روسی حکومت نے 1922ء میں اس پر پابندی لگا دی تو ازبک ادیبوں نے روسیوں کی قائم کردہ ادبی انجمن قزل قلم (سرخ قلم) میں شرکت کر لی لیکن جب اس انجمن پر بھی قوم پرست چھاگئے تو 1932ء میں روسی حکام نے اس کو بھی توڑ دیا۔ اب مسلمان ادیب سوویت مصنفین کی انجمن میں شامل ہو گئے اور جب انہوں نے یہاں بھی قومی نقطہ نظر پیش کرنا شروع کیا اور کیمونسٹ نظریات سے مطابقت پیدا کرنے سے انکار کر دیا تو روسی حکومت جبر و تشدد پر اتر آئی۔[57] جس کے بعد بعض ادیبوں نے خاموشی اختیار کر لی اور بعض نے مجبوراً کیمونسٹ سے مفاہمت کر لی لیکن عبد الرؤف فطرت، عبد الحمید چولپان، عبد اللہ قادری، مقصود باتو اور منور قاری وغیرہ جیسے ادیبوں نے کیمونسٹ حکومت کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا اور پھانسی کے تختہ کو لبیک کہا۔

سینکڑوں ادیب، شاعر اور دانشور گرفتار کر کے قید خانوں، غلام باڑوں اور سائبیریا کے سرد جہنم میں بھیج دیے گئے۔[58] بیسیوں کو گولی مار دی گئی، گولیوں کا شکار بننے والوں میں جمعہ بے ادبی، قاسم تنستان اولو (شاعر)، گل محمد اوغلو (شاعر)، عبد الرؤف فطرت (شاعر و ڈرامہ نگار)، منور قاری (دانشور)، مختار عوض اوغلو (مصنف، ڈرامہ نگار، زبان دان)، عبد اللہ قادری اور عبد الحمید چولپان وغیرہ وہ لوگ تھے جنہیں 1934ء سے 1938ء تک کے عرصے میں قید خانوں اور غلام باڑوں میں موت کے گھاٹ اتارا گیا۔[59]

"By 1938, when Firat ws executed and Fayzullah Khojaev, most famously of them, all mounted the podium at the great purge Trial in Moscow as part of the "anti Soviet Bloc of Rights and Trotskyites" to face the fatal charges of counterrevolution and anti Soviet activity, the Jadīd generation had been obliterated. They were replace by a new generation (the so-called class of 88) whose education and worldview had been shaped entirely within the Soviet context. [60]

اس طرح مسلمانوں کو جدت کی راہوں پر گامزن کرنے کے اس پورے عمل کو تہہ و بالا کر دیا گیا، جو روسی مسلمانوں کی زندگیاں بدلنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

جدید تحریک و علی گڑھ تحریک میں مماثلت:

انیسویں صدی میں جہاں، بر صغیر کے مسلمانوں میں علی گڑھ تحریک شروع کی گئی، وہاں وسط ایشیاء میں تحریک جدید وجود میں آئی۔ دو مختلف خطوں کی مختلف تحریکیں، لیکن مقصد دونوں کا ایک یعنی اپنی قوم کی جہالت اور پستی کو دور کرنا جس کا مفید نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں خطوں کے مسلمانوں میں مسلم قومیت کا شعور، اپنی ترقی کا خیال اور مستقبل کی اہمیت کا احساس پیدا ہوا۔ یہاں ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ ان دونوں تحریکوں میں کیا کیا مماثلت ہے۔ لیکن اس سے پہلے ضروری ہے کہ علی گڑھ تحریک کا ایک مختصر سا تعارف کروادیا جائے۔

1857ء کی جنگ آزادی کی تمام ذمہ داری انگریز نے مسلمانوں پر ڈال دی تھی اور انہیں سزا دینے کے لئے ان کے خلاف نہایت ظالمانہ اقدامات کیے گئے۔ ہندو جو کہ جنگ آزادی میں برابر کے شریک تھے۔ انہیں بالکل کچھ نہ کہا گیا جب کہ مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے بند کر دیے گئے۔ انگریز کی اس پالیسی کیوجہ سے مسلمان معاشرتی طور پر تباہ ہو گئے، ان کی معاشی حالت ابتر ہو گئی۔ انگریزوں نے فارسی کی جگہ انگریزی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ ان مظالم اور ناانصافیوں کیوجہ سے انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کے دل میں شدید نفرت پیدا ہو گئی۔ مسلمان کسی صورت بھی انگریزی سیکھنے پر رضامند نہ تھے۔ دوسری طرف ہندوؤں نے فوری طور پر انگریزی زبان کو اپنالیا تھا۔ اور اس طرح ہندو تعلیمی میدانوں میں مسلمانوں سے آگے نکل گئے ان اقدامات نے مسلمانوں کو معاشی اور معاشرتی لحاظ سے بہت متاثر کیا۔ وہ جو کبھی ہندوستان کے حکمران تھے۔ اب ادنیٰ درجہ کے شہری تھے جنہیں ان کے تمام حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا۔ [61]

یہ صورتحال تھی جس کو سر سید احمد خان نے محسوس کیا اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی زبوں حالی کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر اس موقع پر ان کی صحیح قیادت نہ کی گئی تو بر صغیر میں مسلمانوں کا حشر بہت برا ہو گا اور ممکن ہے کہ یہاں سے یہ قوم اس فنا کر دی جائے جس طرح سپین سے ہو چکی ہے۔ سر سید احمد خان نے اس مسئلہ کا یہ حل سوچا کہ مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی بدحالی کو ایسی تعلیم کے ذریعے دور کیا جائے جو بدلے ہوئے حالات کے لئے موزوں ہو چنانچہ انہون نے ایک ایسے ادارے کے قیام کا سوچا جو مسلمانوں کی ملی اور قومی روایات کا تحفظ کرتے ہوئے انہیں انگریزی علوم سے بہرہ ور کرے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ انگریزی حکومت کے قائم کیے ہوئے تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کے ساتھ کبھی انصاف نہ ہوتا۔ انہیں محرکات کی بناء پر تحریک علی گڑھ شروع کی گئی جس نے مسلمانوں کے اندر ملی مقام کے احیاء کا جذبہ پیدا کیا اور ایک دفعہ پھر ان کو جائز مقام دلایا۔

" علی گڑھ تحریک سے مراد یہ نہیں تھی جو کچھ بھی ہو علی گڑھ ہی کے علاقہ میں ہو بلکہ علی گڑھ تحریک میں ہر ایسا کام شامل تھا جو مکمل طور پر اور صحیح معنوں میں مسلمانوں کے فائدے میں ہو۔" [62]

سر سید احمد خان کی فکر اور ان کی تحریک کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ حالات کے بارے میں ان کی تشخیص یہ تھی کہ:

۱: مسلمانوں کی ترقی کا راز اس بات میں ہے کہ حکومت ان پر اعتماد کرنے لگے، خرابی کی اصل جڑ یہ ہے کہ مسلمان حکومت کے معتمد علیہ نہیں رہے اور چونکہ حکومت کے معتمد علیہ نہیں رہے، اس لئے زندگی کے تمام شعبوں سے نکال باہر کیے جا رہے ہیں اس لئے اعتماد کو بحال کرو، انگریز سے جڑو، حکومت کو وفاداری کا یقین دلاؤ، اس سے اپنے تعلقات استوار کرو۔ ارباب حکومت کے ساتھ اٹھو بیٹھو۔ کھاؤ پیو، یہ ہے وہ طریقہ جس سے کہ مسلمان ان کے ساتھ جڑ سکیں گے۔

۲: فکری و تہذیبی میدان میں مسلمانوں کو جدید مغربی تہذیب سے سمجھوتہ کرلینا چاہئے، کچھ چیزیں اس کی لے لی جائیں، کچھ اپنی باقی رکھی جائیں اور اس طرح ایک نیا مرکب تیار کیا جائے جو نئے حالات میں چل سکے۔

۳: ترقی کا زینہ تعلیم ہے، مسلمانوں کو جدید تعلیم حاصل کر کے حکومت کے مناصب حاصل کرنے چاہئیں۔[63]

جب ہم تحریک جدید کے مصلحین کے افکار کا مطالعہ کرتے ہیں تو جو مؤقف سر سید احمد نے پیش کیا، اسی سے تقریباً ملتا جلتا مؤقف ان کا بھی تھا مثلاً جہاں تک اول الذکر کا تعلق ہے جس میں انگریز کے ساتھ تعلق استوار کرنے کا ذکر ہے، اسی طرح کا مؤقف تحریک جدید کے مصلحین نے پیش کیا، اس ضمن ایک روشن خیال مصلح کے طور پر گسپرالی کے خیالات دیکھئے:

" He maintained that the incorporation of large Muslim territories into Russia was good for Islam. He rejected the view of dogmatic ʻUlamā' that Russia was " a hostile state" (Dar-ul-arb) to Muslims. He wrote that the Muslim khanates of Ryazan, Kazan, Astrakhan, Siberia, the Crimea, the Transcasus and Central Asia had been incorporated into Russia at times of historical necessity and that the transfer of huge muslim populations with their rich territories under Russia sovereignty and protection...makes Russia the natural intermediary between Europe and Asia knowledge and ignorance, progress and stagnation".

اسی طرح جدید ازم کے ایک اور رہنما عبدالقیوم فیض خان تاتاری کلچر کو مغربی رنگ دینا چاہتے تھے[64]

ثانی الذکر کی جہاں تک بات ہے، یہ اسی طرح کا مؤقف ہے جس طرح کا المرجانی اور تحریکِ جدید کے دوسرے مصلحین کا تھا۔ المرجانی نے مغربی کلچر سے مصالحت پر زور دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مسلمانوں کو اسلام کے اصل سر چشمے کی طرف واپس جانا چاہئے۔ وہ دور جدید کے تقاضوں کے مطابق ایک تعلیمی نظام دینے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اگرچہ وہ بھی سر سید احمد خاں کی طرح خود یورپی زبانیں نہیں جانتے تھے لیکن انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو تلقین کی کہ وہ روسی زبان سیکھیں۔

ثالث الذکر کی جہاں تک بات ہے تو تحریک علی گڑھ اور جدید تحریک میں جس چیز کو ملحوظ نظر رکھا گیا، وہ مسلمانوں کی تعلیم تھی۔ دونوں تحریکوں کے مصلحین نے یہ تشخیص کی کہ مسلمانوں کی پس ماندگی، قدامت پسندی اور جہالت کی سب سے بڑی وجہ پست معیار تعلیم ہے۔

ایلن فشر (Alan Fisher) لکھتے ہیں:

"Our ignorance is the main reason of our backward condition. We have no access at all to what has been discovered and what is going on in Europe. We must be able to read in order to overcome our isolation; we must learn European ideas from European sources." [65]

ایلن فشر، گسپرالی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

گسپرالی نے روسی مسلمانوں کے اندرونی حالات کا جائزہ لیا کہ مغربی ترقی اور جدت پسندی سے مطابقت اختیار کرنے میں اس کے لوگوں کی راہ میں روایتی نظام تعلیم بنیادی رکاوٹ ہے۔ گسپرالی نے ایک دفعہ اس پر تنقید کی کہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہم عصر مسلمان سب سے زیادہ قدیم خیالات کے مالک ہیں عملی زندگی کے ہر میدان میں آرمینیوں، بلغاریوں یہودیوں اور ہندوؤں نے ان کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔[66]

جدید تحریک کے مصلحین نے اس بات پر زور دیا کہ ترمیم شدہ نظامِ تعلیم کے بغیر حقیقی ترک تاتاری اسلامی معاشرے کا قیام ممکن نہیں۔ ان کے معاشرے کو تربیت یافتہ اور باشعور لوگوں کی ضرورت ہے۔ چنانچہ لوگوں میں شعور پیدا کرنے کے لیے مدارس اور ذرائع ابلاغ سے کام لیا گیا۔ گسپرالی نے اپنا اخبار ترجمان جاری کیا اس کے علاوہ بھی کئی مضامین، کتابیں، کتابچے وغیرہ لکھے گئے۔ ان کاوشوں نے روسی مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور وہ اپنی بقاء کے لئے کوشاں ہوئے۔

دوسری طرف سر سید احمد خاں نے سائنٹیفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی تاکہ مغربی علوم کو اردو میں منتقل کیا جائے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی علمی و تہذیبی ترقی کے لیے ایک اخبار بھی نکالا گیا۔[67] مسلمانوں کی تعلیمی پستی کے پیش نظر انہوں نے ابتداء میں مراد آباد میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ پھر غازی پور میں سکول قائم کیا جو علی گڑھ میں منتقل ہو کر کالج کے درجہ تک پہنچ گیا۔[68] تحریک جدید و علی گڑھ میں ایک مماثلت یہ پائی جاتی ہے کہ ان دونوں تحریکوں (ابتداء میں جدیدی اسی سوچ کے مالک تھے) کے رہنماؤں نے سیاست سے پرہیز کیا۔ کیونکہ ان کا مؤقف تھا کہ اگر اقتدار انگریز و روسی حکومت کے خلاف جدوجہد کی گئی تو مسلمان کچل دیئے جائیں گے۔

ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے جلسے میں خطاب کرتے ہوئے سر سید احمد خاں نے کہا:

" جن لوگوں کا خیال ہے کہ پولیٹیکل امور پر بحث کرنے سے ہماری قومی ترقی ہو گی میں اس سے اتفاق نہیں کرتا بلکہ میں تعلیم کو اور صرف تعلیم کو ذریعہ قومی سمجھتا ہوں" [69]

مختصراً یہ کہ ان دونوں تحریکوں کے جو مفید نتائج نکلے وہ یہ کہ مسلمانوں کے خوابیدہ ذہنوں میں مسلم قومیت کا شعور، اپنی ترقی کا خیال اور مستقبل کی اہمیت کا احساس پیدا ہوا۔

ان دونوں تحریکوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جو چیز دونوں تحریکوں میں ایک دوسرے سے مختلف تھی، وہ یہ کہ علی گڑھ تحریک میں محض قومی مفاد کو سامنے رکھا گیا۔ تعلیم کے نظام میں اسلامی روح اور اسلامی مزاج کو نہیں سمویا گیا، بنیادی اہمیت اسلام کے تقاضوں کے مقابلہ میں محض مسلمانوں کے مفاد کو دی گئی اور یہ تعلیم مسلمانوں کو صرف سرکاری ملازمت کے لئے ہی تیار کر سکی اور ایک محدود دائرے میں مفید ثابت ہوئی جبکہ تحریک جدید کا آغاز محض دنیا سنوارنے کے لئے نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کا مقصد ایک ایسی نسل تیار کرنا تھا جو دینِ خالص کو اپنانے کے ساتھ ساتھ عصر جدید کے علوم و فنون پر بھی حاوی ہو اور اسلامی انقلاب کے لئے بھی کام کرے۔

نیز تجزیہ یہ بتاتا ہے کہ دونوں تحریکوں کے اصل مقصد کو ان کے جن پیروکاروں نے پیش نظر رکھا وہ بھی فکر و نظر کی اس مرعوبیت سے محفوظ نہ رہ سکے جو تعلیم جدید کا پیدا کردہ سب سے سنگین اور موذی روگ ہے مثال کے طور پر مفتی رضاء الدین فخر الدین اوغلو (تحریکِ جدید) المرجانی کے شاگرد تھے۔ بلند پایہ عالمِ دین اور مؤرخ اور بہت سی دینی و تاریخی کتب کے مصنف بھی۔ لیکن ان کا اندازِ فکر علیگڑھ مکتبِ فکر کے اکثر دین پسند اصحابِ فکر و نظر کی طرح معذرت خواہانہ تھا یہی کیفیت موسیٰ جار اللہ (1875ء-1947ء) کی تھی، وہ جدید و قدیم علوم کے فاضل اور راسخ العقیدہ عالم دین تھے لیکن بایں ہمہ بعض مسائل میں مغربی افکار و نظریات سے بے حد متاثر تھے۔[70]

ہر دو تحریکوں کے راہنماء "سرسید اور المرجانی" کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ حاکم قوم کی زبان سیکھنے اور جدید مغربی لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی تلقین تو کرتے تھے لیکن خود کسی مغربی زبان سے نابلد ہونے کی بناء پر مغربی لٹریچر، مغربی فکر اور غیر تہذیب کے مضر اور مہلک پہلوؤں سے بے خبر تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی قوم کو وہ راستہ تو دکھا دیا جس پر اسے چلنا تھا لیکن اس کے تباہ کن اثرات سے آگاہ نہ کر سکے۔

اسی طرح المرجانی نے نئے مدارس کا آغاز دوسرے ملکوں کے حامیانِ تعلیم جدید کی طرح محض دنیا سنوارنے کی خاطر نہ کیا تھا بلکہ مقصود ایسی نسل تیار کرنا تھا جو دین اور دنیا کا حسین امتزاج ہو اور اسلامی انقلاب کے لئے کام کرے لیکن جو نتیجہ علوم جدید کو جوں کا توں رکھا محض دینیات کا ایک پیریڈ رکھ دینے سے تحریکِ علی گڑھ کا نکلا بعینہ تحریکِ جدید کے ساتھ ہوا۔ یوں دونوں تحریکیں اپنی بنیادوں سے دور ہوتی چلی گئیں۔

تحریک علی گڑھ کی طرح، جس تحریک کا آغاز المرجانی نے اسلامی تہذیب و ثقافت کے تحفظ اور اسے دنیا میں طاقت بنانے کے نیک عزائم سے کیا تھا، اس کے نتائج تباہ کن نکلے۔ Count Pahlen جدید مدارس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"تحریک جدید کا آغاز کرنے والوں نے اس سے روحانی انقلاب کی جو امیدیں وابستہ کیں تھیں وہ کبھی پوری نہ ہو پائیں"۔

مزید لکھتا ہے:

"نئے مدارس کا مقصد تنقید کی مغربی روح اور طور طریقے اپنا کر ان کے ذریعے مغربی اثرات کا قلع قمع کرنا تھا۔ تاہم یہی وہ روح تھی جس نے انجام کار اسلام کے قدیم تصور کو تباہ کر کے رکھ دیا۔"[71]

تحریک جدید اور علی گڑھ تحریک میں ایک مماثلت جو نظر آتی ہے وہ یہ کہ ہر دو تحریکوں نے اپنے اپنے علاقوں کے مسلمانوں کی فکری اور سیاسی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ایک طرف وہ منافرت کم ہوئی جو مسلمانوں کو غیر قوم ان کے افکار اور روسی تہذیب و ثقافت سے تھی، دانشوروں اور طلبہ کے ساتھ میل جول سے دونوں تحریکوں (جدید اور علی گڑھ) میں اپنی حکومتوں کے ساتھ ایک مدت تک لگاؤ پیدا ہوا دوسری طرف غیر اسلامی نظریات ان کے اندر فروغ پانے لگے۔ رفتہ رفتہ غیر اسلامی فکر کی آغوش میں تربیت پانے والے مصلحین اور دانشوروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوتا چلا گیا جس نے مسلمانوں کی زندگی سے مسلم تہذیب کے اثرات محو کرنے اور اسے غیر تہذیب و ثقافت کے رنگ میں رنگنے کی بھرپور جدوجہد کی چنانچہ فکری انتشار نے ان کو اپنی منزل سے دور کر دیا۔

خلاصہ بحث یہ کہ یہ دونوں تحریکیں اپنے عہد، ماحول اور حالات کے اعتبار سے پورے اخلاص سے شروع کی گئیں۔ ان کے رہنماء مخلص تھے اور مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور تعلیمی حالت کو بہتر کرنے کے مقاصد بھی خلوص پر مبنی تھے۔ دونوں تحریکیں اپنے مقاصد کے حصول میں کوشاں رہیں اور انہوں نے اپنے اپنے خطے کے مسلمانوں کی بیداری میں اہم کردار ادا کیا جس کے اثرات تادیر جاری رہے۔

حوالہ جات

[1] امیر شکیب ارسلان، حاضر العالم الاسلامی، ج2، ص288، قاہرہ 1352ھ۔

[2] Sergie A. Zinkovsky: Pan-Turkism and Islam in Russia, Cambridge, Mass, 1960, p. 14.

[3] Augustin Archimandrite, "Islam in Russia", Center for the Study of Islam and Christian Muslim Relations, Selley Oak College, Dec. 1980. p. 09-

[4] Olivier Roy, "" The New Central Asia, The Creation of Nations", Newyork university press, 2000, p. 36.

[5] Shah Abdul ann, Islam in Russia and Central Asia, June 1976, p. 12.

[6] Daniel Kimmage. www.rferl.org/featuresaticle. retirived on (Date)

[7] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، اشاعت اول 1971ء، ج7، ص125

[8] Olivier Roy, " The New Central Asia, The Creation of Nations", p. 35

[9] Ludmila Polonskaya, Alexei Malashenko, "Islam in Central Asia", Ithaca press reading 1994, p. 59
[10] Ibid., p. 56.
[11] Ludmila Polonskaya, Alexei Malashenko, "Islam in Central Asia", Op. Cit., pp. 56-57
[12] Alexander Bennigsen and Marie Brox up, “The Islamic Threat to The Soviet State”, Services Book Club, Beckenham, 1983, Reproduced by Pap-Board Printers Ltd, Rawalpindi, Pakistan, 1984, p. 70.
[13] روسیانا، مسلمانوں کو جبر اًروسی مذھب وطور طریقے اختیار کرنے پر مجبور کرنا۔ مزید معلومات کے لئے دیکھئے: “Islam in Central Asia”
by Ludmila Polonskaya and Alexei Malashenko, pp. 43–44
[14] Faud Koprulu, “Islma‘l Bay Gasprinski”, Cumhuriyet (Istanbol), 7 March 1928.
[15] Alan W. Fisher, “A Model Leader for Asia, Ismil Gaspirali”, The Tatars of Crimea Return to the Homeland, ed. Edward A. Allworth, pp. 29-47, copyright 1998, Duke University Press. See also: Lazzerini, “Isma‘l Bay Gasprinski”, 225 citing and translating, “Kerain-Kerame hutab,” Turcuman 25 September 1906. , as quoted by Alan W. Fisher, Crimea Return to the Homeland, ed. Edward A. Allworth, pp. 29-47.
[16] Ludmila Polonskaya, Alexei Malashenko, "Islam in Central Asia", Op. Cit., p. 60
[17] Adeeb Khalid, The Politics of Muslim Cultural Reform: Jadīdism in Central Asia, Oxford University Press, New York, 2000. p. 103.
[18] Sirojiddin Ahmad, “Munnawer Qori”, Sharq Yulduzi, 1992, No. 5, p. 107.
[19] Adeeb Khalid, The Politics of Muslim Cultural Reform: Jadīdism in Central Asia., p. 165.
[20] Ludmila Polonskaya, Alexei Malashenko, "Islam in Central Asia", Op. Cit., p. 61
[21] Olivier Roy, “The New Central Asia; The Creation of Nation”, p 36.
[22]Adeeb Khalid, The Politics of Muslim Cultural Reform: Jadīdism in Central Asia, pp. 163-164
[23] Alan W. Fisher, “ A Model Leader for Asia, Ismail Gaspirali”, The Tatars of Crimea Return to The Homeland. ed. Edward Al Allworth, pp. 29-47 Copyright 1998. Duke university Press. See also: Lazzerini, “Isma‘l Bay Gasprinski”, 172 Bennigsen and Lemercier Quelquejay, Islam 39, Wheeler, Modern History, 202-3.
[24] Adeeb Khalid, The Politics of Muslim Cultural Reform: Jaddism in Central Asia., p. 167.
[25] منور قاری ایک ممتاز مصنف اور سائنسدان تھے وہ 1900ء میں اصلاح پسند تحریک میں شامل ہوئے اور اخبار ترجمان کے ذریعے جدید طرز تعلیم کے نفاذ کی حمایت کی اور 1901ء میں اصول جدید کا مدرسہ بھی بنایا۔ مزید معلومات کے لئے دیکھئے ادیب خالد کی کتاب، ص 300–95
[26] For a Critical Survey, see: Ḥāji M‘uīn, “‘Alifbalarimiz, “Hurriyat 19 January, 22 Feb. 1918. An extensive bibliography of pre-1917 textbooks and primers is in Adeeb

Khalid, “The politics of Muslim Cultural reform; Jadidism in Tsarist Central Asia”(Ph.D. diss., University of Wisconsin-Madison, 1993), pp. 448-454

[27] Adeeb Khalid, The Politics of Muslim Cultural reform; Jadidism in Central Asia, p. 169.

[28] Haji Mu‘in b. Shukrullah, Eski maktab, Yangi Maktab, Samarqand 1916, p. 40

[29] Adeeb Khalid, The Politics of Muslim Cultural reform; Jadidism in Central Asia., Op. Cit., p. 164.

[30] Ludmila Polonskaya, Alexei Malashenko, "Islam in Central Asia", Op. Cit., pp. 60

[31] Bennigsen, “The Muslims”, 52, V.M. Gorokhov, Reaktsionnaia, Shkol’ naia politika tsarisma v otnoshenii Tatar Revolzh’ia (Kazan, 1941), 201-5

[32] Adeeb Khalid, The Politics of Muslim Cultural reform; Jadidism in Central Asia, p. 176.

[33] Adeeb Khalid, The Politics of Muslim Cultural reform; Jadidism in Central Asia, p. 176, See also: Muammad Khoja (Behbudi, "Bizni hallar wa ishlar" Ayina, 18 Jannary 1941), pp. 200-202.

[34] عبد الرؤف فطرت ترکستان کے ممتاز شاعر اور انشاء پرداز 1886ء میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ 1919ء میں انہوں نے انجمن چغتائی کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی، عوامی جمہوریہ بخارا کی کابینہ میں 1921ء سے 1923ء تک وزیر تعلیم رہے، جب سیاست سے علیحدہ ہوئے تو اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تاریخ اور ادب کے معلم کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیئے لیکن جب 1937ء اور 1938ء میں قوم پرستوں کے خلاف مہم شروع کی گئی تو انہیں عوام دشمن قرار دے کر سزائے موت دے دی گئی۔ انہوں نے شعر، ڈرامہ اور تاریخ ادب پر کئی کتابیں لکھیں۔ مزید معلومات کے لئے دیکھئے خالد ادیب کی کتاب، ص300-111

[35] Haji Muin, Eski Maktab, Yangi Maktab, Samarqand 1916, p. 42.

[36] A grammmatic work in which all or most of words are sung to music; works of this type as an art form or entertainment. Oxford Advanced Learner’s Dictionary, Ed. 7th Oxford University Press. 2005. P. 1064.

[37] Ahmad Rashid, “Jihad; The Rise of Militant Islam in Central Asia”, p. 30

[38] Alexander Bennigsen & Marie Brox up, “The Islamic Threat to the Soviet State”, p. 71.

[39] Ludmila Polonskaya, Alexei Malashenko, "Islam in Central Asia", Op. Cit., p. 62

[40] آباد شاہ پوری، روس میں مسلمان قومیں، اسلامک پبلیکیشنز لیمیٹڈ، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور، 1976ء، ص69.

[41] Ludmila Polonskaya, Alexei Malashenko, "Islam in Central Asia", Op. Cit., p. 62.,

[42] Shah ‘Abdul Hanan, “Islam in Russia and Central Asia”, p. 14., Duma: The Parliament established in Russia after the Revolution of 1905 was called “Duma”

[43] ثروت صولت، روس کے مسلمان تاریخ کے آئینے میں، ص53.

[44] Olivier Roy, "The New Central Asia; The Creatin of Nations, p. 42.

[45] آباد شاہ پوری، روس میں مسلمان قومیں، ص70

[46] Shah Abdul Hanan, "Islam in Russia and Central Asia", p 26., Sarats: Those U'zbek who got separated from their original Tribe.

[47] Shah Abdul Hanan, "Islam in Russia and Central Asia", p. 25., See also: VI. Lenin; Sochieeniya, Moscow, 3rd edition., vol. 16, p. 507

[48] آباد شاہ پوری، روس میں مسلمان قومیں، ص99.

[49] Shah 'Abdul Hanan, "Islam in Russia and Central Asia., p. 24.

[50] مزید معلومات کے لئے دیکھیے: شاہ عبدالحنان کی کتاب "Islam in Russia and Central Asia" p. 24

[51] ثروت صولت، روس کے مسلمان تاریخ کے آئینے میں ص212

[52] A Bennigsen and CL-Quelquejay, Islām in the Soviet union. Trans. Geoffrey E. Wheeler and Hubert Evans. London: Pall Mall Press, 1967, P. 144-149.

[53] Yaacov Roi, "Islam in the Soviet Union from the Second World War to Gorbachev (London: Hurst, 2000)

[54] عبدالحمید چولپان (1938ء-1897ء): پورانام عبدالحمید سلیمان چولپان تھا، 1897ء میں فرغانہ کے مشہور شہر اندیجان میں پیدا ہوئے۔ ان کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عوام کے دکھ درد اور ملی آرزوں کی ترجمانی کی اور ان مقاصد کے حصول کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ اشتراکی حکومت کی طرف سے کافی عرصہ اعتراضات کا ہدف بنے رہے، پھر انہیں مجبور کیا گیا کہ یا تو وہ اپنی تحریروں کو کمیونسٹ پارٹی کی روایات کا منبع بنائیں یا پھر ادبی سرگرمیوں سے دستبردار ہو جائیں۔ انہوں نے انکار کیا تو انہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے پہلے تو قید رکھا پھر ماسکو پہنچا دیا گیا تا کہ وہ اپنے وطن سے دور رہیں اور ان کو کتابیں شائع کرنے سے روک دیا گیا۔ 1937ء میں وہ آخری بار عوام دشمن اور قوم پرست ہونے کے الزام میں گرفتار کئے گئے۔ اس مرتبہ ان کو معاف نہیں کیا گیا اور 1938ء میں ان کو پھانیس دے دی گئی۔ مزید معلومات کے لئے دیکھئے ثروت صولت کی کتاب " روس کے مسلمان تاریخ کے آئینے میں"، ص233-227۔

[55] عبداللہ قادری (1939ء-1894ء): تاشقند میں پیدا ہوئے۔ وہ ترکستان کے جدیدیوں کے ہم خیال تھے اور انہوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا۔ ان کی ابتدائی نظمیں "احوال امیز" اور ملتم (میری قوم)" 1913ء میں شائع ہوئیں۔ ان نظموں میں انہوں نے مسلمانوں کے قومی اور اجتماعی زوال اور بے حسی کا شکوہ کیا ہے۔ سوویت ادیبوں کی طرف سے ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ روس سے ترکستان کے الحاق کو تسلیم نہں کرتے ہیں کیونکہ وہ روسی کیمونسٹ پارٹی کے اس نظریہ کے تحت کام کرنے کے لئے تیار نہیں کہ ترکستان نے اپنی رضا اور رغبت سے روس سے الحاق کیا ہے اور یہ کہ ترکستان پر روس کا حملہ تاریخ کا ایک ترقی پسندانہ واقعہ تھا اور جب انہوں نے یہ نظریہ قبول نہیں کیا اور روسی حملے کو ایک جارحانہ کاروائی قرار دیا تو روس حکومت نے ان کو سوویت یونین کا دشمن قرار دیا اور 1938ء میں ان پر دشمن اور قوم پرست ہونے کا الزام لگایا گیا اور 1939ء میں ان کو پھانسی دے دی۔ مزید معلومات کے لئے دیکھئے "روس کے مسلمان روس کے آئینے میں"، ص238-234۔

[56] محمد مقصود باتو: ایک ممتاز ازبک شاعر اور ادیب تھے۔ مقصود باتو ملی یونین کے رہنماؤں میں سے تھے۔ 1924ء میں کیمونسٹ پارٹی میں داخل ہوئے۔ وہ ازبکستان کے وزیرِ تعلیم بھی رہے، ان پر الزام تھا کہ وزیر تعلیم کی حیثیت سے انہوں نے قوم پرستانہ رجحانات کو فروغ دیا اور نصاب تعلیم میں بھی ان رجحانات کو داخل کیا۔ 1932ء میں وہ گرفتار کر لیے گئے، عام طور پر یہی سال ان کی موت کا سال تصور کیا جاتا ہے۔ مزید معلومات کے لئے ثروت صولت کی کتاب دیکھئے، ص241۔

[57] ثروت صولت، روس کے مسلمان تاریخ کے آئینے میں، ص239

[58] Edward Allworth: Central Asia, A Century of Russian Rule, New Yark, 1967, p. 389.

[59] آبادشاہ پوری، روس میں مسلمان قومیں، ص 403

[60] The term “Class of 38” was conied by Donald S. Carlisle, “The Uzbek Power Elite: Politburo Secretariat (1938-83)”, Central Asian Survey 5, no. 3/4 (1986), 99.

[61] http://www.pakstudy.com/index.php?topic-11958-0

[62] ڈاکٹر معین الدین عقیل، مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور، 1971ء، ص55

[63] خورشید احمد، تاریخ اسلامی، ادارہ چراغِ راہ، کراچی، 1963ء، ص56

[64] ثروت صولت، روس کے مسلمان تاریخ کے آئینے میں، ص48

[65] Isma‘l Bay Gasprinski, “Trans. Alan W. Fisher, The tatar of Crimea, Return to the Homeland, ed. Edward A. Allworth. pp. 127-152, Copy-right.

[66] Alan Fisher, “A Model leader for Asia, Isma‘l Bay Gasprinski, The Tatar of Crimea, Return to the Homeland, Durham; Duke university Press, 1998, p. 34.

[67] ڈاکٹر معین الدین عقیل، مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ص58

[68] ڈاکٹر معین الدین عقیل، مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ص58

[69] تقریر سرسید احمد، جلسہ 1886ء، مرقع کانفرنس، مطبوعہ علی گڑھ، 1935ء، ص4-3

[70] آبادشاہ پوری، روس میں مسلمان قومیں، ص 65

[71] K. K. Pahlen Count: Mission to Turkestan, Oxford, 1964, p. 61.